زرِ سالانہ دو روپے | اردو کی نئی اور پرانی مطبوعات کا خبر نامہ | رجسٹرڈ نمبر ایل 1846

ماہنامہ نگارشات امروہہ

جلد ۱ | اگست سنہ ۱۹۷۲ء | شمارہ ۱۱

خواجہ میر درد ۔ تصوف اور شاعری

(ج)

خواجہ میر درد شاعر بھی تھے اور صوفی بھی۔ ڈاکٹر وحید اختر نے اپنی اس کتاب میں یہ کوشش کی ہے کہ ان دو حیثیتوں سے مفصل بحث کی جائے۔

یہ کتاب محض تنقیدی تصنیف نہیں۔ اصل میں یہ ان کا پی۔ ایچ۔ ڈی کا مقالہ ہے جس پر ان کو ڈاکٹریٹ کی ڈگری ملی ہے اس لیے بے جا نہ ہوگا اگر سب سے پہلے تحقیق کی نظر سے اس کا جائزہ لیا جائے۔

تحقیق میں سب سے پہلے اس پر زور دیا جاتا ہے کہ امکان کی حد تک اصلی ماخذوں سے استفادہ کیا جائے لیکن اس کتاب میں سب سے زیادہ اسی بنیادی اصول کی خلاف ورزی کی گئی ہے اور اس لحاظ سے یہ کتاب مثال کا درجہ رکھتی ہے کہ آج تک تحقیق کے اس زریں اصول قاعدے کو اس بے دردی اور بے پروائی کے ساتھ کسی دوسرے مصنف نے نظر انداز نہیں کیا ہوگا

[illegible] عربی کے حوالے نقل کیے ہیں [illegible] الوجود کو ابن عربی سے [illegible] مصنف نے [illegible] کیا ہے کہ ابن عربی کی کتابوں کا مطالعہ کرنے [illegible] دوسرے مصنفوں کی ان کتابوں [illegible]

کو پیش نظر رکھا ہے جن میں کسی بحث کے دوران میں ابن عربی کے حوالے آگئے ہیں اور انہی عبارتوں کو اپنے یہاں نقل کر لیا ہے۔

حضرت بیکش اکبرآبادی کی کتاب نقد اقبال اور ڈاکٹر میر ولی الدین کی کتاب قرآن اور تصوف میں ابن عربی کی جو عبارتیں آگئی ہیں۔ انہی میں سے بعض کو مصنف نے اپنے مطلب کا سمجھ کر نقل کر لیا ہے۔ مثال کے لیے دیکھیے صفحات ۸۲، ۸۳، ۱۹۵۔

قاضی ثناء اللہ پانی پتی، مرزا مظہر جان جاناں کے مرید اور خلیفہ تھے۔ ان کے اقوال کے لیے بھی ان کی تصانیف کو چھوڑ کر نقد اقبال سے کام لیا گیا ہے (مثلاً ص ۱۰۵)

حضرت شاہ ولی اللہ کا جگہ جگہ ذکر آیا ہے اور ان کے اقوال اور عبارتیں بھی دوسروں کے یہاں سے اخذ کی گئی ہیں۔ اس بار بھی غالب حصہ نقد اقبال سے ماخوذ ہے (مثلاً ص ۹۷، حد یہ ہے کہ یوگ، شاستر کے اطلاق سے متعلق ذکرہ خوشیہ کا حوالہ دیا گیا ہے۔

حضرت مجدد الف ثانی مسلک وحدۃ الشہود کے بانی مبانی تھے۔ آپ کے مکاتیب چھپے ہوئے موجود ہیں مصنف نے ذہنی روایت کو برقرار رکھتے ہوئے اصل

مکاتیب سے استفادہ کرنے کے بجائے، ان مکاتیب کے اردو ترجمے پر بھروسہ کیا ہے۔ اسی طرح مظہر جانجاناں کے فارسی مکاتیب کے بجائے، ان کے اردو ترجمے کو ترجیح دی ہے۔

خواجہ میر دردؔ کے والد خواجہ ناصر عندلیب ایک خاص مسلک "طریقِ محمدی" کے موسس تھے۔ ان کی کتاب نالۂ عندلیب موجود ہے ظاہر ہے کہ تصوف کی بحث میں ان کا ذکر ناگزیر تھا کیونکہ دردؔ انہی کے مسلک کے معتقد تھے۔ مصنف نے ان کے ساتھ بھی وہی سلوک روا رکھا ہے کہ نالۂ عندلیب کو پڑھنے کے بجائے ادھر اُدھر جو اس کا ذکر آگیا ہے وہیں سے لے اڑے ہیں۔ نالۂ عندلیب کا ایک حوالہ مرحوم مولانا حبیب الرحمٰن خاں شروانی کے اس مقدمے سے لیا گیا ہے جو انھوں نے خواجہ میر دردؔ کے اردو دیوان پر لکھا تھا۔ اس مقدمہ میں شروانی صاحب نے نالۂ عندلیب کی ایک عبارت کا اردو ترجمہ درج کیا ہے۔ مصنف نے اسی اردو ترجمہ کو وہاں سے نقل کر لیا ہے (ص ۰۰) ایک اور جگہ بھی اس کتاب کا ذکر نہیں، بالواسطہ نقلِ قول سے کام لیا گیا ہے (ص ۰۰)۔ لیکن مغالطہ آفرینی کے لیے یہ طریقہ اختیار کیا ہے کہ ماخذ کی فہرست میں نالۂ عندلیب کا نام موجود ہے۔ (ص ۳: ۵) اس کا مطلب یہ ہوا کہ مصنف نے اصل کتاب سے استفادہ کیا ہوگا۔ لیکن یہ غلط ہے جہاں بھی نالۂ عندلیب کا حوالہ مذکور ہے وہاں ثانوی ذریعے سے کام لیا گیا ہے۔ اس کا اندازہ یوں بھی کیا جا سکتا ہے کہ فہرست ماخذ کو ایک نظر دیکھ لیا جائے۔ مثلاً ذیل کی کتابوں کو دیکھیے۔

۱- مرزا مظہر جانجاناں کے خطوط (اردو ترجمہ)
۲- مقامات مظہری (اردو ترجمہ)
۳- نفحات الانس (مترجمہ حافظ علی احمد چشتی)
۴- کشف المحجوب (مترجمہ فیروز الدین)
۵- مکتوبات امام ربانی حصہ اول (مترجمہ قاضی عالم الدین)
۶- مکتوبات امام ربانی حصہ دوم (مترجمہ قاضی عالم الدین)
۷- 〃 〃 〃 سوم 〃 〃 〃
۸- ہدایت الطالبین (مترجمہ نور احمد)
۹- فلسفہ عجم (مترجمہ میر حسن الدین)
۱۰- تاریخ ادبیات ایران (براؤن) (مترجمہ داؤد رہبر)
۱۱- تاریخ تصوف اسلام (مترجمہ رئیس احمد جعفری)
۱۲- تاریخ فلاسفۃ الاسلام (مترجمہ ڈاکٹر میر ولی الدین)
۱۳- تاریخ فلسفہ (دی بیر) اردو ترجمہ جامعہ عثمانیہ)
۱۴- تاریخ فلسفہ اسلام (مترجمہ ڈاکٹر سید عابد حسین)

یہ بات تحقیق کے مسلمات میں سے ہے کہ ترجمے کی حیثیت ثانوی ماخذ کی ہوتی ہے۔ مرزا مظہر جانجاناں کے خط ہوں یا مجدد الف ثانی کے مکتوبات۔ نفحات الانس ہو یا مقامات مظہری یہ سب کتابیں اصلاً فارسی میں موجود ہیں اور ملتی ہیں۔ اس صورت میں اصل کتابوں کو چھوڑ کر ان کے ترجموں کو استعمال کرنے کا جواز کیا ہوگا؟ کیا اس کا مطلب یہ لیا جائے کہ مصنف فارسی سے اس قدر واقف نہیں کہ ان کتابوں سے استفادہ کر سکیں۔ اگر وہ فارسی سے واقف ہیں تو پھر اصل کتابوں کو چھوڑ کر ترجموں پر اکتفا کرنے کے کیا معنی؟

یہاں ایک اہم سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر ایک مصنف نے اپنی کتاب میں کسی بحث کے ذیل میں ایک قول نقل کیا ہے تو کیا یہ مناسب ہوگا کہ کوئی دوسرا مصنف اپنی کتاب میں اس قول کو وہاں سے نقل کر لے یہ دیکھے بغیر کہ اصل کتاب میں مکمل بحث کی نوعیت کیا ہے۔ ہر مصنف اپنے نقطۂ نظر سے اور اپنی ضرورت کے لحاظ سے اقتباسات درج کیا کرتا ہے مثلاً نقدِ اقبال میں میکش صاحب نے ابن عربی کے جو اقتباسات درج کیے ہیں وہ ایک خاص بحث کے ذیل میں آئے ہیں اب مصنف انہی اقتباسات کو وحدۃ الوجود اور وحدۃ الشہود کے اُن مباحث کے ذیل میں نقل کر لیتے ہیں جن کو انھوں نے اپنے انداز سے ترتیب دیا ہے۔

آج کل تحقیق میں سہل انگاری کی روایت پرورش پارہی ہے اس کتاب نے اس روایت کے جواز اور فروغ کا اچھا خاصا سرو سامان مہیا کر دیا ہے۔

یہ تو بنیادی سوال تھا۔ مصنف نے جہاں بھی تحقیق کے کوچے میں قدم رکھا ہے ٹھوکر کھائی ہے۔ دو چار مثالوں سے اس کا بخوبی اندازہ کیا جا سکتا ہے۔

۱۔ قائم نے ہدایت کی ہجو لکھی تھی اس کا ذکر کرتے ہوئے مصنف لکھتے ہیں۔

"انہوں نے ہدایت کی ہجو ضرور لکھی مگر
اس بنا پر کہ سوداؔ سے ان کی چل گئی تھی۔
چنانچہ قائمؔ ہجو کے لیے سوداؔ سے اجازت
مانگتے ہیں: ع
حکم ہوئے تو ہدایت کو کروں میں سیدھا" ۔
(ص ۵۴۸)

مصنف نے اپنے آخذ کی فہرست میں قائمؔ کے مخطوطۂ کلیات مخزونہ انڈیا آفس لائبریری کا حوالہ بھی ہے۔ لیکن یقین ہے کہ انھوں نے اس کو دیکھا نہیں محض درج فہرست کر دیا ہے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اس کا مطالعہ کرتے تو ان کو معلوم ہو جاتا کہ قائمؔ نے سوداؔ سے نہیں دردؔ سے اجازت طلب کی تھی اس غزل کے دو شعر یہ ہیں:

حضرتِ دردؔ کی خدمت میں جب آ قائم نے
عرض کی یہ کہ اے استادِ زماں سنتے ہو
امر ہوئے تو ہدایت کو کروں میں سیدھا
واں سے ارشاد ہوا یہ کہ میاں سنتے ہو

۲۔ "رباعی ایسی صنف ہے جسے سب سے پہلے ابو سعید ابو الخیر نے تصوف کے لیے استعمال کیا (ص ۳۴۵) شیخ کے پوتے کے پوتے محمد کی کتاب اسرار التوحید یا ڈاکٹر قاسم غنی کی کتاب تاریخ تصوف در اسلام (مطبوعۂ تہران) کا اگر مطالعہ کیا جاتا تو معلوم ہو جاتا کہ ایک شعر اور اکثر ۲ باعی کے علاوہ باقی ساری رباعیاں جو ابو سعید ابو الخیر سے منسوب کی جاتی رہی ہیں وہ سب دوسروں کی ہیں۔ ڈاکٹر عندلیب شادانی کے ایک طویل مقالے (مشمولہ نذرِ عرشی) میں بھی اس سلسلہ کی ساری معلومات کو یکجا کر دیا گیا ہے اور بہت سی رباعیوں کے صحیح انتساب کی نشان دہی بھی کی گئی ہے۔

یہ تو انتساب کی بات تھی۔ مصنف کو اوزان رباعی کا بھی علم نہیں۔ انہوں نے اپنی کتاب کے ص ۳۵۰ سے ص ۳۵۳ تک دردؔ کی متصوفانہ رباعیات کا انتخاب پیش کیا ہے اس ثبوت میں کہ "ان کی رباعیات میرؔ و مرزاؔ کے مقابلے میں تصوف کے رنگ میں زیادہ ڈوبی ہوئی ہیں" (ص ۳۵۰) لیکن صورتِ حال یہ ہے کہ اس انتخاب کے شروع کی نو "رباعیات" کو اوزان رباعی سے کوئی تعلق نہیں یہ غزلوں کے دو دو متفرق اشعار ہیں۔ زیادہ سے زیادہ ان کو قطعات کے ذیل میں رکھا جا سکتا ہے۔ پہلے دو شعر یا مصنف کے زعم کے مطابق "رباعی" یہ ہے۔

جلوہ تو ہر اک رنگ کا ہر آن میں دیکھا
جو کچھ کہ سنا تجھ میں سو انسان میں دیکھا
جوں غنچہ بہ جز یک دلِ صد چاک نہ پایا
منہ ڈال کے جب اپنے گریبان میں دیکھا

———

اور آخری رباعی یہ ہے:۔
گل رخاں کا بحر و بر میں جو کہ ہے مدہوش ہے
ہم نے دریا میں کبھی دیکھا بلبلوں کا جوش ہے
وصف خاموشی کے کہنے میں کچھ آ سکتے نہیں
جس نے اس لذت کو پایا ہے اسد خاموش ہے

مصنف نے کئی صفحات اس کے لیے وقف کیے ہیں کہ غالبؔ پر دردؔ کے اثرات کی نشان دہی کی جائے (صفحات ۵۱۴ تا ۵۲۱) اس ذیل میں ایسی ایسی باتیں لکھی ہیں کہ ہنسی آتی ہے۔ مثلاً ایک جگہ لکھا ہے کہ "اب چند اور غزلیں دیکھیے جو غالبؔ نے دردؔ کی زمینوں ہی میں لکھی ہیں" ۔ (ص ۵۱۹) اس کے بعد ایسی پانچ

غزلیں درج کی ہیں جو ان کے خیال کے مطابق غالبؔ نے دردؔ کی "زمینوں ہی میں" کہی ہیں۔ مگر ان سے یہ پوچھا جا سکتا ہے کہ اس کا ثبوت کیا ہے کہ غالبؔ نے لازماً دردؔ کی زمینوں کی تقلید کی ہے یا تو یہ ثابت کیا جائے کہ دردؔ سے پہلے کسی اور شاعر نے ان زمینوں میں غزلیں نہیں کہی تھیں۔ یہ زمین دردؔ کی نکالی ہوئی ہے یا پھر غالبؔ کے ایسے کسی اعتراف کی نشان دہی کی جائے جس سے معلوم ہو کہ غالبؔ نے دردؔ کی زمینوں کو پیش نظر رکھا ہے۔ اس طرف بھی نظر کرنا چاہیے کہ معاصرین دردؔ کے یہاں ان زمینوں میں غزلیں ہیں یا نہیں۔ اس کے بغیر کوئی بھی قول قابل قبول نہیں ہو سکتا۔

مصنف نے اسی سلسلے میں اشعار کی ایک ایسی فہرست بھی پیش کی ہے جن میں غالبؔ کو دردؔ سے "لفظی یا معنوی توارد ہوا ہے۔" (ص ۵۲) دو مثالیں آپ بھی ملاحظہ کر لیجئے۔

اپنے ملنے سے منع مت کر
اس میں بے اختیار ہیں ہم — دردؔ

اسد شکوہ کفر و دعا ناسپاسی
ہجوم تمنا سے ناچار ہیں ہم — غالبؔ

ہر طرح زمانے کے ہاتھوں ہوں ستم دیدہ
گر دل ہوں تو آزردہ، خاطر ہوں تو رنجیدہ — دردؔ

بس کہ مے پیتے ہیں ارباب نظر پوشیدہ
خطِ پیمانۂ مے ہے نفسِ دزدیدہ — غالبؔ

آپ نے ملاحظہ فرمایا "لفظی اور معنوی توارد" کو۔ اس کے بعد تو ہر شخص ہر شاعر کے یہاں سے دوسرے شاعر کے اثرات کو برآمد کر سکتا ہے۔ بس کہیں سے دو شعر اکٹھا کر برابر برابر رکھ دیجئے۔ اور ہاں اس "لفظی توارد" کی داد خاص طور سے دی جانی چاہیئے۔

اس کتاب کا تنقیدی حصہ بھی تحقیقی حصے کی طرح ہے۔ سب سے پہلی چیز تو یہ کھٹکتی ہے کہ مصنف نے دردؔ کے بے شمار اشعار درج کیے ہیں۔ یہ تعداد اس قدر زیادہ ہے کہ ادائے مفہوم اور ترتیب مدعا کی ساری حدیں ٹوٹ گئی ہیں۔ دوسری بات یہ ہے کہ تنقیدی رائیں توازن سے محروم ہیں۔ کہیں مبالغہ ہے۔ کہیں محض عبارت آرائی ہے اور کہیں مفروضات کی جلوہ گری ہے۔ ایک دو مثالوں سے اس کے متعلق اچھی طرح رائے قائم کی جا سکتی ہے۔

ایک جگہ انہوں نے جوش تعریف میں قائمؔ کے متعلق لکھا ہے کہ: "ہجو میں قائمؔ اپنے استاد کی برابری کرتے ہیں"۔ (ص ۵۵) پہلے قول کا مبالغہ ملاحظہ کیجئے "قائمؔ ہجو میں سوداؔ کے بعد تمام شاعروں سے ممتاز نظر آتے ہیں" (ص ۵۵) پہلے قول کا مبالغہ ملاحظہ کیجئے اور دوسرے قول کی ہمہ گیری کو دیکھئے۔ جس شخص نے بھی قائمؔ کے کلیات کو پڑھا ہے وہ اس قدر بے اصل بات نہیں لکھ سکتا۔ سوداؔ تو خیر سوداؔ تھے۔ قائمؔ تو ہجو میں انشاؔ اور مصحفیؔ کی برابری بھی نہیں کر سکتے۔

اس سے زیادہ دل چسپ ان کی یہ رائے ہے "غزل کے میدان میں قائمؔ، میرؔ، سوداؔ اور دردؔ کی ہمسری کرنے کے بجا طور پر مستحق ہیں" ص ۵۵۔ اس رائے پر ہنس کر خاموش رہنے کے سوا اور کیا کیا جا سکتا ہے۔

یا مثلاً ایک جگہ لکھتے ہیں کہ "میرؔ، غالبؔ، آتشؔ نے تصوف کو اپنا موضوع بنایا" (ص ۳۱۰) اس سے پہلے یہ بھی لکھ چکے ہیں کہ "شاہ حاتمؔ، مرزا مظہر جانجاناں میر تقی میرؔ سب ہی نے تصوف کے مضامین باندھے اور اس طرح باندھے کہ قال کو حال اور نقل کو واردات اصلی بنا دیا" (ص ۳۱۰)

اس آخری جملہ کی مبالغہ آرائی کا کچھ ٹھکانا ہے یہ کہنا کہ میرؔ اور غالبؔ کی شاعری کا موضوع تصوف تھا ان دونوں پر الزام لگانا ہے۔ مصنف کی تنقیدی رایوں کا عمومی انداز یہی ہے جس کا نتیجہ یہ ہوا ہے کہ دردؔ کی شاعری ہو یا دوسروں کی کسی کے بھی متعلق صحیح رائے قائم کرنے میں مدد نہیں ملتی۔ (باقی ماہ ستمبر میں ملاحظہ فرمایئے)

مالک ایڈیٹر و پرنٹر و پبلشر ایم۔ ایچ۔ رضوی مطبوعہ کوہ نور پریس لال کنواں دہلی
پتہ۔ نگارشات امروہہ۔